اخبار الرایہ

شمارنمبر588

(25-فروری-2026)

(عربی سے ترجمہ)

رمضان: عبادت کا میدان بھی اور جنگ کا میدان بھی 2
حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی طرف سے اپنے صفحات کے معزز زائرین کے نام 6
فلسطینی اتھارٹی قدم بقدم یہودیوں کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے 9
خواتین کے شعبے کی مہم "رمضان.. تبدیلی کا حقیقی تصور" 11
سیرین ڈیموکریٹک فورسز (قسد) اور ایران: عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے ایک سبق 12
"امن کونسل" کا پہلا اجلاس؛ ٹرمپ کی صدارت اور 45 سے زائد ممالک کی شرکت 17
لبنانی سیکورٹی ادارے اب بھی لوگوں کے خلاف اغوا کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں! 20
ایک ایسی تہذیب جو معصوم بچیوں کی چیخوں کو دولت کے قدموں تلے روند دیتی ہے 21
بنگلہ دیش کے انتخابات میں انتخابی منشور: نمائشی حل جن میں حقیقی حل کا فقدان ہے 24
اے امتِ مسلمہ کے بیٹو! شرعی اور عقلی طور پر آپ پر واجب ہے کہ 26
جب نگہبان (راعی) غائب ہو اور ریاست ٹیکس وصول کرنے والی بن جائے، تو لوگ ڈوب کر مرتے ہیں! 27
اعتدال اور وسطیت کے نام پر اسلامی بیانیے کی وحدت کی کانفرنس 29
تاریخ آپ پر گواہ ہے اور مستقبل آپ کا منتظر ہے 32
مسلمان حکمران اور ان کے حواری: مسلمانوں پر قہر، کافروں پر مہر 33
امریکیوں کے شام کی التنف چھاؤنی چھوڑنے کے پسِ پردہ حقائق 34
اقتدار کے ایوانوں میں اسلام کی واپسی کا فر مغرب کی نیندیں اڑا رہی ہے 38

اس مبارک مہینے میں ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس سال رمضان کو صرف روزوں، تلاوتِ قرآن، قیام اور صدقات کا مہینہ بنانے کے علاوہ غور و فکر، تدبر، بصیرت اور خلافت پر نظرِ ثانی کا مہینہ بھی بنائیں، اور یہ سوچیں کہ کس طرح یہ خلافت منہجِ نبوی ہے اور ان پر ایک ایسا فرض ہے جس میں تاخیر جائز نہیں۔ اور یہ مہینہ ختم نہ ہو جب تک کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں ہاتھ نہ دے دیں، امید ہے کہ اللہ ہمیں اور انہیں قریب ترین فتح سے نوازے تاکہ ہم نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْساً وَأَشَدُّ تَنكِيلاً﴾ "اور مومنوں کو (جہاد پر) ابھاریئے، قریب ہے کہ اللہ کافروں کی طاقت کو روک دے، اور اللہ سب سے زیادہ طاقت والا اور سخت سزا دینے والا ہے" (سورۃ النساء: آیت 84)

ادار یہ

رمضان: عبادت کا میدان بھی اور جنگ کا میدان بھی

تحریر: استاذہ مسلمہ الشامی (ام صہیب)

(ترجمہ)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی محکم کتاب کی سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں" (سورۃ البقرۃ: آیت 183)، اور اس کے چند ہی آیات کے بعد اللہ جل وعلا فرماتا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ "تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے" (سورۃ البقرۃ: آیت 214)، تاکہ نفس کی اصلاح میں اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی نصرت میں اللہ کی فرمانبرداری کے درمیان تعلق قائم کیا جا سکے۔

یہ دو عظیم آیات نفس کے خلاف جہاد اور دشمن کے خلاف جہاد، یعنی رمضان کی عبادت اور جہاد کی بندوق کو یکجا کرتی ہیں۔ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ رمضان صرف روزے، نماز اور عبادت کا مہینہ نہیں ہے، بلکہ یہ جہاد، فتوحات اور کامیابیوں کا مہینہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو روحانی عبادت اور ہر قسم کے جہاد کو جمع کرتا ہے۔ یہ روزے اور قیام کے ذریعے نفس کی تربیت گاہ ہے، تو دوسری طرف ظلم کے خلاف لڑنے، مظلوموں کی مدد کرنے اور زبان و مال کے ذریعے جہاد کا میدان بھی ہے۔ یہ وہ ایمانی تربیت گاہ ہے جہاں ہم حق کی نصرت کے لیے دلوں کو تیار کرتے ہیں اور اپنے باطن کو پاک کرتے ہیں تاکہ ہم اللہ کی زمین پر غلبہ و اقتدار (تمکین) کے مستحق بن سکیں، جیسا کہ اسی مبارک مہینے میں اسلام کے وہ بڑے غزوات پیش آئے جن میں نصرت مسلمانوں کا مقدر بنی، جیسے کہ معرکہ بدر جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا (فرقان) تھا اور جس کے بعد مسلمانوں کو عزت و قوت نصیب ہوئی۔ اسی طرح فتح مکہ، جس کے ذریعے سرزمینِ حرم سے بت پرستی کے جھنڈے سرنگوں ہوئے اور اسلام کے جھنڈے سربلند ہوئے۔ اسی مہینے میں مسلمانوں نے "عین جالوت" کے مقام پر تاتاریوں کو شکست دی اور اندلس کو فتح کیا۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی جنگیں اور فتوحات اس بابرکت مہینے میں ہوئیں جن کے مسلمانوں کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کے تمام حقائق، اخلاق اور احکامات کھل کر سامنے آتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے"(سورۃ البقرۃ: آیت 185)۔ چنانچہ اس مہینے میں خیر، احسان اور ایثار کی تمام نشانیاں مجسم ہو جاتی ہیں۔ ہم دن رات طاعات اور عبادات کے ذریعے اللہ کے قریب ہوتے ہیں، اور احسان، مدد اور محبت کے ذریعے اللہ کی مخلوق کے قریب ہوتے ہیں۔

رمضان اس بات کی بھی تاکید کرتا ہے کہ روزہ ان شعائر میں سے ہے جو مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کرتا ہے اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ ان کا رب ایک ہے، ان کا دین ایک ہے، ان کا قبلہ ایک ہے اور ان کا غم و فکر بھی ایک ہے۔ لیکن جب سے ریاستِ خلافت کا خاتمہ ہوا ہے، امتِ مسلمہ تفرقے اور بکھراؤ کا شکار ہے، اور ظلم، جبر، ذلت اور غلامی کی زندگی گزار رہی ہے، یہاں تک کہ رمضان کے آغاز اور اختتام کے تعین میں بھی وہ دوسروں کی محتاج ہے! مسلمانوں کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ کی کتاب کے مطابق حکمرانی آج بھی معطل ہے، اور ہم پر آج بھی وہ انسانوں کے بنائے ہوئے (وضعی) نظام لاگو ہیں جنہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے، اور جس نے ہر طرف فساد پھیلا کر لوگوں کو دربدر کر دیا ہے۔ مسلمانوں کا خون مباح سمجھ کر بہایا جا رہا ہے جیسا کہ ہم غزہ، کشمیر، چین اور اسلامی ممالک کے ظالموں کی جیلوں میں دیکھ رہے ہیں، اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان مظلوم اور کمزور ہیں اور ان کا کوئی نگہبان اور مددگار نہیں۔

اور اسی وقت امت یہ محسوس کر رہی ہے کہ اسے اس کی بدحالی سے اللہ کے سوا کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ کیونکہ سب اس پر ٹوٹ پڑے ہیں اور اس کا گوشت نوچ رہے ہیں، اور اس پر وہی وقت آ چکا ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی کہ امتیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے اپنے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

لیکن یہ نجات، یہ تبدیلی اور حق کو ثابت کرنے اور دین کو غالب کرنے کا ہدف محض آرزوؤں اور امیدوں سے حاصل نہیں ہو گا، اگرچہ خیر کی امید رکھنا بذاتِ خود ایک اچھی بات ہے۔ اور نہ ہی یہ ہدف صرف دعا سے حاصل ہو گا، اگرچہ ہم اللہ کے حضور عاجزی اور فریاد کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ کیونکہ دعا تو مطلوب ہے لیکن اس کی قبولیت کی کچھ شرائط ہیں، اور ان شرائط میں سے ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر لبیک کہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴿
(اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہی ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا جائیں" (سورۃ البقرۃ: آیت 186)

الحمد للہ، اسلام لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے، اور اللہ کی اطاعت کا جذبہ اور عمل کی لگن بہت سے لوگوں میں موجود ہے۔ وہ دین کے مختلف امور میں دلچسپی رکھتے ہیں، جیسے فضائلِ اعمال کی دعوت، عبادات، سنتیں، قرآن کی تلاوت و حفظ، بدعت کی بیخ کنی، اخلاق کی دعوت، لوگوں کی مدد اور دیگر فضائل، اقدار، اخلاق اور معاملات، چاہے انفرادی طور پر ہوں یا اجتماعی طور پر۔ اور ان کا خیال ہے کہ اس طرح وہ اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے سبکدوش ہو جائیں گے، اور یہ کہ تبدیلی کے عمل اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ان پر ان کاموں کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ شرعی طور پر مطلوب ہے اور اس پر اجر بھی ملتا ہے، لیکن یہ دین کے قیام کے لیے جدوجہد کے فریضے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ شخص کوتاہی کرنے والا شمار ہو گا جو زمین پر اللہ کے حکم کو شرعی طریقے سے نافذ کرنے کے لیے کام نہیں کرتا۔

اور رمضان میں، وہ مہینہ جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے خیر کے دروازے کھول دیتا ہے، ان کے لیے شیطانوں کو جکڑ دیتا ہے، اور اس میں اجر کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کی اطاعت صرف ان کاموں تک محدود نہ رہے جن کا ہم نے ذکر کیا یعنی روزہ، نماز، صدقہ وغیرہ، بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کریں جیسے ان سے پہلے صحابہ اور تابعین نے کیا تھا کہ تمام فرائض کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیں تاکہ اللہ کی عبادت اور اطاعت مکمل ہو جائے اور اجر دوگنا ہو جائے۔ لہٰذا آج ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ دعوت اور اللہ کے حکم و شریعت کے قیام کے لیے جدوجہد کی اطاعت کو بھی شامل کریں، جو کہ خاص ترین اطاعتوں میں سے ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ وہ اطاعت ہے جس سے باقی تمام اطاعتیں وجود میں آتی ہیں اور جس کے ذریعے گناہوں کو روکا جاتا ہے، وہ اطاعت جو مسلمانوں اور ان کے وجود و مرکزیت کی حفاظت کرتی ہے، وہ اطاعت جس کے ذریعے ہم اللہ کے کلمے کو بلند کرتے ہیں، اس کے حکم کو غالب کرتے ہیں اور اسلام کی خیر کو پوری زمین اور تمام انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہی وہ اطاعت ہے جس کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سے یہودیوں، امریکہ اور کفر کی تمام قوتوں کے شر کو دور

فرمائے گا۔ یہ وہ اطاعت ہے جو اپنے اپنوں اور بیگانوں سب کے لیے خیر لاتی ہے، یہ وہ اطاعت ہے جس کے بغیر کسی خیر کا وجود ممکن نہیں۔

بیشک رمضان سال کے کیلنڈر میں کوئی عارضی پڑاؤ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کوئی ایسا روحانی سیزن ہے جس کا اثر اس کے ایام گزرنے کے ساتھ ختم ہو جائے، بلکہ یہ انسان کی زندگی میں فیصلہ کن لمحات ہیں۔ ایک ایسا موقع جو اللہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی ترجیحات اور اپنے معاملات کی ترتیبِ نو کریں، اپنے دلوں کی اصلاح کریں، اپنی زندگی کا رخ درست کریں، اور اللہ کے مزید قریب ہو کر ایک نئے سفر کا آغاز کریں۔ اور اللہ کے نزدیک اس کے دین کو غالب کرنے اور اس کے کلمے کو بلند کرنے کی جدوجہد سے بڑھ کر کوئی اور عمل ایسا نہیں ہے جو انسان کو اس کے قریب کر دے۔ اور یہ ہدف اس مخلص گروہ کے ساتھ مل کر سنجیدہ جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی پیروی کرتا ہے اور زمین پر اللہ کی شریعت کو دوبارہ نافذ کرنے اور منہج نبوت پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے کام کر رہا ہے، جس کا وقت اب قریب آچکا ہے جیسا کہ حالات سے ظاہر ہے، اور مبارکباد ہے اس کے لیے جو اس کا گواہ اور اس کا سپاہی بنا۔

اے ایمان والے مسلمانو! آپ کی امت تاریخ کے مختلف ادوار اور رمضان کے مہینوں میں بڑی بڑی آزمائشوں اور شدید سختیوں سے گزری ہے، لیکن وہ اللہ کے فضل اور پھر اللہ کی شریعت کے مطابق حکمرانی کرنے والی ایک مضبوط ریاست کی بدولت ثابت قدم رہی اور اسے فتح نصیب ہوئی۔ یہ امت خالص سونے کی طرح ہے کہ اسے جتنا آگ پر تپایا جائے اس کی چمک اتنی ہی بڑھ جاتی ہے، اور اسی طرح قرآن کی اس امت کو دوبارہ پلٹنا ہو گا، چاہے اس پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ کتنے ہی کیوں نہ ٹوٹیں اور شر کی قوتیں متحد کیوں نہ ہو جائیں، جیسا کہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿**وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ**﴾ "اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو" (سورۃ آلِ عمران: آیت 139)

پس اس رمضان کو اپنے حق میں گواہ بنائیں اور اسے اپنے خلاف گواہ نہ بننے دیں، اسے نصرت اور غلبے (تمکین) کا مہینہ بنائیں اور اسے بے بسی اور کمزوری کا مہینہ نہ بننے دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی طرف سے اپنے صفحات کے معزز زائرین کے نام

اس بہترین امت کی جانب جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے... اس امتِ مسلمہ کی جانب جسے اللہ سبحانہٗ نے اپنی اطاعت کا شرف بخشا...

دعوت کے معزز حاملین کی جانب، جنہیں نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت، العزیز اور الحکیم اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے...

صفحے کے معزز زائرین کی جانب، جو اس خیر کی طرف متوجہ ہیں جسے یہ اپنے ساتھ لاتا ہے...

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر، اور ان کی آل اور صحابہ پر، اور ان سب پر جنہوں نے ان کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد:

میں اللہ سبحانہٗ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے روزے اور قیام کو قبول فرمائے اور ہم سب کے پچھلے گناہوں کو بخش دے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا، جسے بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»** "جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے"

اور ایک اور روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»** "جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کیا، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے"

معزز بھائیو: اللہ سبحانہٗ نے ہجرت کے دوسرے سال شعبان کے مہینے میں رمضان کے روزے فرض کیے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ نے قرآن نازل فرمایا: ﴿**شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ**﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے والی واضح نشانیاں رکھتا ہے"(سورۃ البقرۃ: آیت 185)

یہ وہ مہینہ بھی ہے جس میں اللہ نے امت کو نصرت اور فتحِ مبین سے سرفراز کیا۔ چنانچہ سترہ رمضان کو غزوۂ بدرِ کبریٰ پیش آیا جس میں مکہ کے مشرکین کو بڑی شکست ہوئی... پھر اس مبارک مہینے میں دیگر فیصلہ کن معرکے بھی ہوئے، جن کا آغاز آٹھ ہجری کے بیس رمضان کو فتحِ مکہ سے ہوا، پھر معرکہ بویب "جو موجودہ شہر کوفہ کے قریب ہے" جو فارس کا یرموک تھا، جس میں مسلمانوں نے مثنیٰ کی قیادت میں بارہ رمضان تیرہ ہجری کو فتح حاصل کی، پھر دو سو تیئیس ہجری کے سترہ رمضان کو معتصم کی قیادت میں فتحِ عموریہ ہوئی، اور چھ سو اٹھاون ہجری کے پچیس رمضان کو معرکہ عین جالوت ہوا جس میں مسلمانوں نے تاتاریوں کو شکست دی... اور اس مبارک مہینے میں دیگر کئی فتوحات بھی ہوئیں...

یوں روزہ قرآنِ کریم کے ساتھ جڑا ہوا ہے، وہ قرآن جس کے پاس نہ آگے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے... روزہ فتح اور نصرت کے ساتھ جڑا ہوا ہے... روزہ جہاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے... روزہ اللہ کے احکام کے نفاذ کے ساتھ جڑا ہوا ہے... اور ہر صاحبِ نظر و بصیرت نے جان لیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، چاہے وہ عبادات ہوں یا جہاد، معاملات ہوں یا اخلاق و سلوک، یا حدود و جرائم... سب ایک ہی سر چشمے سے نکلتے ہیں۔ جو شخص کتابِ کریم کی آیات اور احادیثِ مبارکہ کے نصوص میں غور کرے، اسے یہ بات واضح اور روشن نظر آتی ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام ہے جو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہوتا، اور اس کی دعوت ایک ہی ہے کہ اسے ریاست، زندگی اور معاشرے میں نافذ کیا جائے۔ پس جو اللہ کی آیات کے درمیان جدائی ڈالے، اور دین کو زندگی سے جدا کرے، یا دین کو سیاست سے الگ سمجھے، اس نے بہت بڑا گناہ اور سنگین جرم کیا، جو اسے دنیا کی رسوائی اور آخرت کے دردناک عذاب تک لے جاتا ہے۔

اے مسلمانو: میں تمہیں یہ سب کچھ ان دنوں میں یاد دلا رہا ہوں جب مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ غزہ پر یہود کا وحشیانہ ظلم جاری ہے، پھر یہود کی جارحیت لبنان اور شام تک پھیل گئی ہے... وہ مسلمانوں کی سرزمینوں میں دندناتے پھرتے ہیں اور انہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ اور بجائے اس کے کہ حکمران مسلمانوں کی افواج کو حرکت میں لاتے تاکہ وہ یہود کے

وجود سے لڑیں، ایسی جنگ کریں کہ اس کے پیچھے والوں کو بھی منتشر کر دیں اور اس مبارک سرزمین کو آزاد کرائیں... اس کے برعکس ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ یہود کے ساتھ پے در پے معاہدے کرتے ہیں، بلکہ طاغی ٹرمپ انہیں جمع کر کے ذلیل کرتا ہے اور وہ اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین سے بھی حیا نہیں کرتے!

اے مسلمانو: یہود سے جنگ، ان کا قتل اور ان کے وجود کا خاتمہ، اس جبر کی بادشاہت اور ایجنٹ حکمرانوں کے دور کے بعد ایک راشد اور مجاہد خلیفہ کی قیادت میں لازماً ہو کر رہے گا۔ پس رسول اللہ ﷺ کی بشارت اپنے وقت پر ان شاء اللہ ضرور پوری ہو گی، جیسا کہ احمد نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ»** "پھر جبر کی بادشاہت ہو گی، وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر وہ اسے اٹھا لے گا جب چاہے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔"

اور اسی طرح اس حدیث کے مطابق جسے مسلم نے روایت کیا: **«لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ...»** "تم ضرور یہود سے قتال کرو گے اور انہیں قتل کرو گے..."

اور آخر میں، جس طرح ہمیں روزہ رکھنے کی حرص ہونی چاہیے تا کہ اللہ ہم سے راضی ہو اور ہمارے پچھلے گناہ بخش دے، اسی طرح ہمیں اسلامی زندگی کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے خلافتِ راشدہ کے قیام کی جدوجہد پر بھی حریص ہونا چاہیے، تا کہ ہم دنیا میں اللہ کے احکام کے نفاذ کے ذریعے کامیاب ہونے والوں میں شامل ہوں، رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے، رایۃِ عقاب، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے کے سائے تلے رہنے والے ہوں۔ اور آخرت میں بھی اللہ کے سائے تلے، اللہ کے اذن سے کامیاب ہوں، جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، پس ہم دونوں جہانوں میں کامیابی پائیں، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا بھائی، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

یکم رمضان 1447ھ بمطابق 18/02/2026ء

#امیر_حزب_التحریر

فلسطینی اتھارٹی قدم بقدم یہودیوں کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے

سرزمینِ مبارک (فلسطین) میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے ایک پریس بیان میں کہا گیا ہے کہ: اتوار 15 فروری 2026 کو فلسطینی اتھارٹی کے اداروں نے اللہ اور اہل فلسطین کے خلاف اپنی جرات میں ایک نئی حد پار کرلی ہے، اس سے پہلے کہ وہ مجاہدین، یہودیوں کو مطلوب افراد یا اپنی خیانت کے مخالفین کا خون حلال کرچکی تھی، آج وہ معصوموں اور بچوں کو نشانہ بنانے تک پہنچ گئی ہے، اس جرم میں انہوں نے سامر سمارہ کی گاڑی پر فائرنگ کی جس میں ان کی اہلیہ اور بچے موجود تھے، جس کے نتیجے میں ان کا سولہ سالہ بیٹا علی اور پھر ان کی تین سالہ بیٹی رونزا شہید ہوگئی۔ یہ وہ جرم ہے جو فلسطینی اتھارٹی اور اس کے ادارے پلک جھپکائے بغیر کررہے ہیں، ایسا جرم جس سے درندے بھی دور بھاگتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعے یہودیوں کے جرائم کی برابری کررہے ہیں جب وہ فلسطین میں بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے ہیں۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ: فلسطینی اتھارٹی ایک طرف تو اس قابض وجود کے سامنے ذلت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتی ہے جس نے اس کے اختیارات علاقہ (A) سے بھی ختم کردیے ہیں، اور جہاں یہودی زمینیں غصب کررہے ہیں، گھر مسمار کررہے ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے فلسطینیوں کو بے دخل کررہے ہیں، بلکہ یہ ان کے جرائم میں شریک ہوکر لوگوں کے رزق کا پیچھا کرتی ہے تاکہ ان پر زندگی تنگ کرسکے، پھر وہ اپنے (شرعی!) ججوں کی شرکت سے استبدادی قوانین بناتی ہے، اور اس جرم کے ذریعے اہل فلسطین کے خلاف اپنے جرائم کی ایک نئی بے لگام حد قائم کرتی ہے، ایسی حد جو ان کے بچوں اور عورتوں کے خون کی کوئی حرمت باقی نہیں رہنے دیتی، تاکہ یہ سب کچھ فلسطینی اتھارٹی کی اصل تصویر اور اس کے کارندوں کی فطرت کو ظاہر کرے کہ وہ ایسے جرائم کے لیے تیار ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے، اور وہ یہودیوں کا وہ ہاتھ بننے کے لیے تیار ہیں جو بچوں اور عورتوں سمیت اہل فلسطین کے خون کو حلال سمجھتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب فلسطینی اتھارٹی اور اس کے مجرموں نے سرزمینِ مبارک فلسطین سے دستبرداری اور کوتاہی کو جائز کرلیا، اہل فلسطین کے خلاف یہودیوں کی مدد کو جائز کرلیا، عورت اور خاندان سے متعلق اپنے قوانین کے ذریعے دین کی حرمتوں کو پامال کیا، نصابِ تعلیم سے ہر اس چیز کو نکال دیا جس کا تعلق اسلام سے تھا، اور ٹیکسوں کے ذریعے مال و دولت کو حلال کرلیا جس کا بوجھ صاحبِ ثروت لوگ نہیں اٹھاسکتے، عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔ پس فلسطینی اتھارٹی اور اس کے سیکورٹی ادارے اہل فلسطین کے ساتھ ویسی ہی دشمنی کرنے لگے ہیں جیسے یہودی کرتے ہیں، بالکل ایک جیسی دشمنی، ایسی دشمنی جس میں مومنوں کے خلاف کینہ بھرا ہوا ہے! گویا اہل فلسطین کے لیے یہودیوں کے جرائم ہی کافی نہ تھے کہ اب فلسطینی

اتھارٹی کے کرائے کے قاتل اور بڑے کارندے ان جرائم کو مکمل کریں تاکہ اپنی گرفت مضبوط کر سکیں اور اہل فلسطین پر گھیرا تنگ کر دیں، جس کے بعد ان کے پاس فنا ہونے یا کوچ کر جانے کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچے!

پریس بیان میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا گیا: ہم کہا کرتے تھے کہ فلسطینی اتھارٹی ان جرائم میں شریک ہے جو زمین پر فساد پھیلانے والے کرتے ہیں، وہ اہل فلسطین کی حرمتوں، خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں، اور وہ کسی رکاوٹ کے بغیر دندناتے پھرتے ہیں جبکہ فلسطینی اتھارٹی خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، اور اس کے برعکس وہ ہر اس شخص کا پیچھا کرتی ہے جو یہودیوں کو نقصان پہنچائے، لیکن آج یہ اس حد سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، اور خود کھلم کھلا راہزنی اور فساد فی الارض کے کاموں میں براہِ راست ملوث ہو گئی ہے، ایسی ڈھٹائی کے ساتھ جسے نہ تو تحقیقات کا ڈھونگ چھپا سکتا ہے اور نہ ہی قانون توڑنے والوں کے تعاقب کے بہانے۔ یہ اس فلسطینی اتھارٹی کی اصل تصویر ہے جو اللہ کی حدود اور اس کی حرمتوں کے خلاف سرکش ہو چکی ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ یہودی جتنا اسے مسخ اور ذلیل کرتے ہیں، وہ اللہ کے بندوں پر اتنی ہی جری ہوتی جاتی ہے، گویا وہ امریکہ اور یہودیوں سے کہہ رہی ہے کہ ہمیں ذلت کی کسی بھی صورت میں اور کسی بھی قسم کے جرائم کے ساتھ باقی رکھو، چاہے ہم یہودیوں کے مجرمانہ اداروں کا باقاعدہ حصہ ہی کیوں نہ بن جائیں!

اور آخر میں ہمیں یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ اہل فلسطین کب تک یوں ہی چلتے رہیں گے: "وہ اپنے زخموں کے صبر کو اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے ہیں لیکن وہ اپنے بھائیوں کی طرف سے جہاد، فتوحات اور حمایت کی پکار نہیں سن رہے؟! اور نہ ہی انہیں کوئی ایسا نظر آتا ہے کہ وہ یہودیوں کی طرف سے ان کے حرمتوں کی پامالی کا بدلہ لے، یا فلسطینی اتھارٹی اور اس کے مجرم اداروں میں سے ان سے قصاص لے جنہوں ان کے خون کو حلال سمجھ لیا ہے؟!"

خواتین کے شعبے کی مہم "رمضان.. تبدیلی کا حقیقی تصور"

رمضان المبارک کا مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اسلام صرف اس لیے آیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت اور قرآن و سنت میں موجود نظریے کی روشنی میں دنیا کو تبدیل کرے اور انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرے۔ اور جب ہم اس ظلم و ستم اور ان لاتعداد بحرانوں اور مسائل کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کا امتِ مسلمہ اور پوری انسانیت شکار ہے، تو ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں اسلام کے پیش کردہ تبدیلی کے درست نظریے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ریاستوں، عالمی اداروں اور بین الاقوامی تنظیموں نے اقوام کے مسائل کا درست، پائیدار اور کامیاب حل پیش کرنے یا نسل کشی، قبضے اور اجتماعی جبر کو روکنے میں اپنی عاجزی اور ناکامی ثابت کر دی ہے۔

اس لیے رمضان المبارک کے مہینے کو ہمارے لیے ایک موقع ہونا چاہیے تاکہ ہم انسانی تبدیلی کے اس حقیقی تصور کو سمجھیں اور اس پر غور کریں جیسا کہ قرآن وسنت میں بیان کیا گیا ہے، نیز اس کے حصول کے طریقے اور اس مقصد تک پہنچنے میں بطور مسلمان اپنے کردار کو پہچانیں۔

اس فضیلت والے مہینے میں، حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کا خواتین کا شعبہ اس موضوع پر بات کرے گا، بشمول ان صفات اور تبدیلیوں کے جو تبدیلی کے اس حقیقی تصور کو حاصل کرنے کے لیے ہم میں بطور مسلمان، بطور امتِ مسلمہ، ہماری سیاسی جماعتوں، ہماری افواج اور ریاستی سطح پر مطلوب ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان رکاوٹوں کا بھی ذکر ہو گا جو اس کے حصول کی راہ میں حائل ہیں اور ان پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتایا جائے گا۔

ویب سائٹس پر مہم کی پیروی کے لیے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

https://hizb-ut-tahrir.info/ar/index.php/women-s-section/dawah-news/107768.html

سیرین ڈیموکریٹک فورسز (قسد) اور ایران: عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے ایک سبق

تحریر: انجینئر حسب اللہ النور – ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

شام کے لیے امریکی ایلچی، ٹام براک نے بیان دیا ہے کہ: "داعش کے خلاف زمین پر ایک اہم قوت کے طور پر سیرین ڈیموکریٹک فورسز (قسد) کا اصل مقصد اب ختم ہو چکا ہے"۔ (حلب الیوم، 19/01/2026)۔

اس کے برعکس، مشرقِ وسطیٰ کے سمندروں میں امریکی فوجی دستے غیر معمولی طور پر جمع ہو رہے ہیں، جبکہ ایرانی نظام کے خلاف امریکی دھمکیوں کے لہجے میں بھی شدت آ رہی ہے، حالانکہ اس نظام نے طویل عرصے تک خطے میں امریکی پالیسی کی خدمت کی ہے۔

سیرین ڈیموکریٹک فورسز (قسد) باقاعدہ طور پر 10 اکتوبر 2015 کو تشکیل دی گئی تھی، جو کہ شروع سے ہی ایک واحد فوج کے بجائے کئی دھڑوں پر مشتمل ایک فوجی اتحاد تھا۔ اس کے قیام کا مقصد امریکہ کی قیادت میں بین الاقوامی اتحاد کی براہ راست مدد سے، بنیادی طور پر 'دولتِ اسلامیہ' (داعش) کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف مقامی قوتوں کو متحد کرنا تھا۔ امریکہ نے خطے میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے 'دولتِ اسلامیہ'' (داعش) سے مقابلے کے بہانے فنڈنگ، تربیت اور اسلحے کی فراہمی کے ذریعے اس کی مکمل پشت پناہی کی ذمہ داری سنبھالی۔ جب اس کا کردار ختم ہو گیا تو امریکی صدر ٹرمپ نے خطے سے امریکی افواج کو نکال لیا اور شامی حکومت کو ان علاقوں سے سیرین ڈیموکریٹک فورسز (قسد) کو نکال باہر کرنے کی اجازت دے دی جن پر انہوں نے پہلے قبضہ کر رکھا تھا، یوں امریکہ نے انہیں تنہا چھوڑ دیا اور قسد کے خواب چکنا چور ہو گئے۔

سوشل میڈیا پر بہت سے کردوں نے اس پورے واقعے کو 'غداری' قرار دیا، گویا امریکہ پر ان کی خدمات کے بدلے کوئی اخلاقی فرض یا سٹریٹیجک ذمہ داری عائد ہوتی تھی!۔

دوسری جانب ایران کا معاملہ ہے، جہاں ایران اور امریکہ کے درمیان تکرار اپنی پانچویں دہائی میں داخل ہو چکی ہے، تو ان تعلقات کی حقیقت کیا ہے؟۔

اس حقیقت کو جاننے کے لیے اس تعلق کے سفر میں آنے والے کچھ اہم موڑ پر رکنا ضروری ہے۔

واقعات کو تیزی سے بیان کرنے کے بجائے، یہ مناسب ہو گا کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ایرانی نظام کا قیام کیسے عمل میں آیا، جیسا کہ 2016 کے وسط میں منظرِ عام پر آنے والی کئی امریکی دستاویزات میں بتایا گیا ہے۔

ان دستاویزات میں درج ہے کہ خمینی کی درخواست پر اور امریکہ کے ساتھ تعاون کے ان کے وعدے کے بعد، امریکی انتظامیہ نے اس وقت کے نیٹو کے ڈپٹی کمانڈر انچیف، امریکی جنرل رابرٹ ہوئزر کے ذریعے شاہ کے وفادار ایرانی فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کو غیر فعال کرنے کی براہ راست نگرانی کی۔ اس کے بعد جنوری 1979 کے وسط میں شاہ اور ان کے خاندان کو ایران سے نکال کر جلاوطنی کی نگرانی کی گئی، اور پھر خمینی کو تہران جانے کے لیے ہری جھنڈی دکھا دی گئی، جہاں ایک فرانسیسی طیارے نے انہیں پہنچایا تاکہ وہ ایران میں اقتدار کی باگ ڈور سنبھال سکیں۔

عالمی منڈیوں میں ایرانی تیل کی فراہمی کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ امریکہ نے دو اسٹریٹیجک اہداف حاصل کیے:

پہلا یہ کہ: اقتدار میں مستحکم ہونے کے بعد خمینی نے شاہ کے دورِ حکومت کی مخالفت میں اپنے دو اہم اتحادیوں، یعنی ایرانی کمیونسٹ پارٹی (تودہ پارٹی) اور دیگر بائیں بازو کے دھڑوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ 1983 میں ان پر پابندی عائد کر دی گئی، ان کے لیڈروں کو گرفتار کیا گیا اور ان کے کارکنوں کو پھانسیوں اور تشدد کی مہمات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح، خاص طور پر اسلامی نعروں کی آڑ میں، ایران کو سوویت یونین سے دور رکھنے کی ضمانت مل گئی۔

دوسرا یہ کہ: خمینی کے اقتدار سنبھالنے کے ایک سال بعد ہی عراق کے ساتھ جنگ چھڑ گئی، جس نے سنی اور شیعہ کے درمیان فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیا اور یہ ایک کھلی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ سب اس وقت ہوا جب امریکہ نے ایران کو عراق، شام، لبنان اور یمن میں پھیلنے کی اجازت دی، اور اس طرح امریکہ نے مسلمانوں کے درمیان مزید تفرقہ اور انتشار کو یقینی بنا دیا۔

تعلقات کے سفر میں دوسرا پڑاؤ عراق کے بارے میں امریکہ اور ایران کے درمیان ہونے والی مفاہمتیں تھیں۔ امریکی سفارت کار اور عراق کے لیے ایلچی زلمے خلیل زاد کی کتاب "میرا سفر ایک ہنگامہ خیز دنیا میں" کے مطابق اس نے ان تعلقات کی نوعیت کا خلاصہ کرتے ہوئے ذکر کیا کہ محمد جواد ظریف نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر امریکی طیارے ایرانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کریں تو ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ حملے کے بعد بھی ان کے درمیان ملاقاتیں جاری رہیں جن میں عراق میں مستقبل کی حکومت پر بحث کی گئی، اور ایران نے جلاوطن اپوزیشن پر مشتمل حکومت کی تشکیل، بعث پارٹی کے خاتمے اور عراقی سیکورٹی فورسز کی نئے سرے سے تعمیر کی بھرپور حمایت کی، اور یہی کچھ حقیقت میں ہوا۔

جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے، تو بون کانفرنس کو امریکہ اور ایران کے درمیان تعاون کا عروج سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ تریتا پارسی نے اپنی کتاب "دشمن کھونا: اوباما، ایران اور سفارت کاری کی فتح" میں اشارہ کیا ہے۔ اس نے ذکر کیا کہ اس تعاون کا عروج 10 دسمبر 2001 کو بون شہر میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے دوران سامنے آیا، جب افغانستان میں حکومت کے لیے نئے منصوبے کی منظوری دی گئی، جسے امریکہ اور ایران نے مل کر کانفرنس کے انعقاد سے کئی ہفتے پہلے انتہائی احتیاط کے ساتھ تیار کیا تھا۔

اس سلسلے میں سابق ایرانی صدر رفسنجانی نے کہا: "اگر طالبان کے خلاف جنگ میں ہماری افواج کی مدد نہ ہوتی تو امریکی افغانستان کی دلدل میں ڈوب جاتے"۔ (روزنامہ الشرق الاوسط، 2002/02/09)۔ اسی طرح سابق ایرانی صدر محمد

خاتمی کے قانونی اور پارلیمانی امور کے نائب، محمد علی ابطحی نے 13 جنوری 2004 کو ابو ظہبی میں ہونے والی ایک کانفرنس "خلیج اور مستقبل کے چیلنجز" میں کہا: "اگر ایران کا تعاون نہ ہوتا تو کابل اور بغداد اتنی آسانی سے فتح نہ ہوتے، لیکن ہمیں انعام ملا اور ہمیں 'بدی کے محور' (Axis of Evil) میں شامل کر دیا گیا!" (اسلام آن لائن، 13/01/2004)۔ صدر احمدی نژاد نے بھی 26 ستمبر 2008 کو نیویارک میں اقوام متحدہ کے اجلاس کے دوران نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے اسی بات کو دہرایا: "ایران نے افغانستان کے حوالے سے امریکہ کی مدد کی تھی، اور اس مدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ نے ہمیں براہ راست فوجی حملے کی دھمکیاں دیں، حالانکہ ہمارے ملک نے عراق میں امن واستحکام کی بحالی کے لیے بھی امریکہ کی مدد کی ہے"۔

امریکہ نے ایران کو علاقائی طور پر پھیلنے اور اپنے ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھانے کی اجازت دی یہاں تک کہ وہ خطے کے لیے خطرہ بن گیا، پھر جلد ہی اسے 'بدی کے محور' میں شامل کر لیا، اس کا اقتصادی محاصرہ کیا یہاں تک کہ ایران کی کرنسی کی قدر میں 80 فیصد سے زیادہ کمی آگئی، اور اس پر فوجی حملے بھی کیے۔ آج اس کا شدید محاصرہ کر کے ایرانی نظام کا تختہ الٹنے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

امریکہ اپنے مفادات اور عملی تقاضوں کے مطابق کام کرتا ہے۔ ایران کی صورتحال کو "کارکردگی کی بنیاد پر حریف" (Functional Adversary) کہا جاتا ہے، جیسے کہ کچھ ممالک کو امریکہ "کارکردگی کی بنیاد پر دوست" (Functional Friend) قرار دیتا ہے۔ امریکہ نے ایران کے ساتھ اس ظاہری دشمنی سے کئی مفادات حاصل کیے ہیں، جن میں خطے میں اپنی موجودگی کا جواز پیش کرنا، خلیجی ممالک کو اپنی سلامتی کے لیے امریکہ پر انحصار کرنے پر مجبور کرنا، اربوں ڈالر کا اسلحہ بیچنا، مالی بلیک میلنگ، اور "استحکام کے بجائے خوف" کی پالیسی کے ذریعے خطے کے معاملات چلانا شامل ہے۔

امریکہ نے جن حکومتوں کو استعمال کرنے کے بعد ٹھکرا دیا ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثال کے طور پر جعفر نمیری، جس نے امریکہ کی ایما پر فلاشا یہودیوں کو یہودی وجود میں منتقل کیا، اس کے باوجود امریکہ نے مصری حکومت کو اشارہ دیا جس نے نمیری کی امریکہ سے خرطوم واپسی میں رکاوٹ ڈالی یہاں تک کہ اس کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اسی طرح عمر البشیر نے امریکہ کے حکم پر جنوبی سوڈان کو الگ کیا، لیکن اسے جھوٹے وعدوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ اس فہرست میں حسنی مبارک، بشار، اور وہ افغان جنگجو جنہوں نے امریکہ کے ساتھ مل کر جنگ

لڑی، اور ایسے بہت سے دوسرے نام شامل ہیں۔ امریکہ کی اس سیاہ تاریخ کے باوجود، اسلامی ممالک میں کٹھ پتلی حکمران اور مفاد پرست سیاستدان اب بھی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے امریکہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں۔ انہیں نہ تو اپنے سے پہلے والوں کے عبرت ناک انجام نے متاثر کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان کے لیے کافی ہوا کہ: ﴿وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ﴾ "اور یہودی اور نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے" (سورۃ البقرۃ: آیت 120)

کیا ان لوگوں کے لیے یہ بہتر نہ تھا کہ وہ امریکہ کی پناہ لینے کے بجائے امریکہ کے رب کی پناہ لیتے؟ تفرقہ اور انتشار کو دوام دینے کے بجائے، جس نے انہیں کمزوری اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا، کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے کہ: ﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ﴾ "بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں" (سورۃ الانبیاء: آیت 92)۔ کاش کہ وہ ایک ہی قیادت، یعنی خلافتِ راشدہ کے تحت اپنے جھنڈے کو متحد کرتے جو ان کے لیے ذلت کے بجائے عزت و وقار کا باعث بنتا، کیونکہ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ "عزت تو صرف اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے" (سورۃ المنافقون: آیت 8)۔ کیا اب بھی اس امت کے بیٹوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اپنے ان حکمرانوں کا ہاتھ پکڑیں اور انہیں حق پر چلنے کے لیے سختی سے مجبور کریں اور انہیں حق کی پیروی تک ہی محدود کر دیں؟ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيْ الظَّالِمِ، وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْراً، وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْراً، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللَّهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ، ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ» "ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے، اور تم ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور اسے حق پر چلنے پر مجبور کرو گے اور اسے حق پر ہی قائم رکھو گے، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے پر مار دے گا (یعنی تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کر دے گا)، پھر وہ تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جیسے اس نے ان (پچھلی امتوں) پر کی" (ابوداؤد، ترمذی)

"امن کونسل" کا پہلا اجلاس: ٹرمپ کی صدارت اور 45 سے زائد ممالک کی شرکت

تحریر: استاد احمد الخطوانی

(ترجمہ)

امریکی صدر ٹرمپ نے 19 فروری 2026 کو 'امن کونسل' کے پہلے اجلاس کی صدارت کی، جس میں 45 سے زائد ممالک کے وفود اور متعدد عالمی رہنماؤں اور نمائندوں نے شرکت کی۔ شرکاء میں ارجنٹائن کے صدر جیویر ملی، انڈونیشیا کے صدر پرابوو سوبیانتو اور ازبکستان کے صدر شوکت مرزیوئیف شامل تھے۔ اس کے علاوہ کئی وزرائے اعظم نے بھی شرکت کی جن میں مصر کے مصطفیٰ مدبولی، پاکستان کے شہباز شریف اور ہنگری کے وکٹر اوربان نمایاں تھے۔ اجلاس میں مصر کے وزیر خارجہ بدر عبدالعاطی، ترکی کے ہاکان فیدان اور یہودی وجود کے وزیر خارجہ جدعون ساعر سمیت کئی وزرائے خارجہ نے بھی شمولیت اختیار کی۔

یورپی ممالک میں سے اٹلی، رومانیہ، یونان اور قبرص نے اس اجلاس میں حصہ لیا، جبکہ ایشیائی ممالک میں سے جنوبی کوریا اور جاپان نے بطور مبصر شرکت کی۔ اس کونسل میں یورپی یونین اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ یہ واضح تھا کہ اس بین الاقوامی شرکت اور اسے وسعت دینے کی کوشش کا مقصد محض دکھاوا تھا، نہ کہ کسی حل میں عملی طور پر شریک ہونا۔

ٹرمپ نے اپنے افتتاحی خطاب میں فخریہ انداز میں اس شرکت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "یہ ایک عظیم دن ہے، امن کونسل کے اجلاسوں میں بڑی تعداد میں رہنما شریک ہیں، امن کا حصول بہت مشکل ہے لیکن ہم اسے حاصل کر لیں گے۔" اس نے خیالی امن کے بارے میں کھوکھلے الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے مزید کہا: "امن کے قیام سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں ہے، اور جنگوں کی قیمت امن قائم کرنے کی لاگت سے کئی گنا زیادہ ہے"۔

اس نے دعویٰ کیا کہ "دنیا کے بیشتر رہنماؤں نے امن کونسل میں شمولیت پر اتفاق کیا ہے"، اور اپنی اس کونسل میں بعض دیگر رہنماؤں کی شرکت کے حوالے سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "اور کچھ ایسے رہنما بھی ہیں جنہیں ہم

شامل نہیں کرنا چاہتے"۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ یہ کونسل "امن کی خاطر" قائم کی گئی ہے اور وہ اس کونسل میں مل کر غزہ، مشرقِ وسطیٰ اور پوری دنیا کے لوگوں کے بہتر مستقبل کی ضمانت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس کے دعوے کے مطابق ان کی یہ کونسل صرف غزہ اور مشرقِ وسطیٰ کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ہے۔

ٹرمپ نے اعلان کیا کہ "غزہ میں جنگ ختم ہو چکی ہے" اور اپنی یہ بات دہرائی کہ حماس "اپنے وعدے کے مطابق ہتھیار ڈال دے گی، ورنہ اسے سخت ترین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ اس نے یہودی وجود پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ وہ نہیں سمجھتے کہ "حماس کے خاتمے کے لیے غزہ میں فوجی بھیجنا ضروری ہے"۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ "کئی ممالک نے غزہ کے امدادی پیکج کے لیے 7 ارب ڈالر سے زائد کا حصہ ڈالا ہے" اور غزہ کی تعمیرِ نو کے لیے بھاری امداد کا اعلان کیا، جس میں اکیلے امریکہ کی جانب سے دس ارب ڈالر شامل ہیں۔

مزید برآں، ٹرمپ نے ایران کو بھی امن کونسل میں شامل ہونے کی دعوت دی۔

دوسری جانب، بین الاقوامی استحکام فورس (International Stability Force) کے کمانڈر جاسپر جیفرز نے کہا کہ پانچ ممالک نے غزہ میں داخلی سلامتی فورس میں اپنی افواج کی تعیناتی کے عزم کا اظہار کیا ہے، اور وہ ممالک یہ ہیں: انڈونیشیا، مراکش، قازقستان، کوسوو اور البانیہ۔ انہوں نے واضح کیا کہ مصر اور اردن نے غزہ میں تعینات ہونے والی پولیس کی تربیت کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ جیفرز نے بتایا کہ بین الاقوامی استحکام فورس جنوبی غزہ کے علاقے رفح میں اپنی افواج کی تعیناتی اور وہاں پولیس کی تربیت سے کام کا آغاز کرے گی، جس کے بعد بتدریج پورے علاقے تک اسے وسعت دی جائے گی۔ انہوں نے ذکر کیا کہ طویل المدتی منصوبے کے تحت 20 ہزار بین الاقوامی سیکورٹی اہلکار استعمال کیے جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ 12 ہزار پولیس اہلکاروں کو تربیت دی جائے گی۔

لیکن دنیا کے ممالک کے لیے 'امن کونسل' کا سب سے خطرناک پہلو اس کے وژن کا غزہ کی جغرافیائی حدود سے باہر تک پھیلاؤ ہے، اور اس کے دائرہ کار کو اس طرح وسعت دینا ہے کہ یہ غزہ تک محدود رہنے کے بجائے دنیا کے دیگر تنازعات اور لڑائیوں میں بھی لاگو ہونے کے لیے تیار رہے۔ یہ کونسل تمام بین الاقوامی علاقائی بلاکس کی نمائندگی کا خیال رکھتی ہے، اس کی ایک انتظامی فوج ہے، اس کے لیے ایک رسمی جمہوری ووٹنگ کا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے، یہ تمام ممالک اور گروہوں کو رکنیت دیتی ہے اور اسے ارکان کی جانب سے مستقل فنڈنگ حاصل ہے۔ اسے موجودہ بین الاقوامی ادارے (اقوامِ متحدہ) کے متبادل کے طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے منشور کی شقیں اور ان کی تحریر کا انداز بھی

عمومی رکھا گیا ہے جو صرف غزہ کے جغرافیے تک محدود نہیں بلکہ اس سے ماوراہے تا کہ تمام خطوں کے دیگر تنازعات پر بھی لاگو ہو سکے۔

ٹرمپ نے خود کو کونسل کا مستقل صدر بنالیا ہے، چنانچہ فیصلوں کی منظوری کا تنہا حق صرف اسی کے پاس ہے، اور ممبران کو شرکت کی دعوت دینے کا اختیار بھی صرف وہی رکھتا ہے۔ اس نے موجودہ بین الاقوامی ادارے اور امریکہ کے علاوہ دیگر بڑی عالمی طاقتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔ یہ ایک ایسی کونسل ہے جسے اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کے متبادل کے طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے، جس کا ڈھانچہ نیا، ووٹنگ کا نظام نیا اور یہ موجودہ عالمی نظام کے بالکل متوازی ایک راستہ ہے۔

اس کونسل کے قیام کے ساتھ ساتھ امریکہ کا 66 بین الاقوامی تنظیموں سے دستبردار ہونا اور اقوامِ متحدہ کو دی جانے والی اپنی مقررہ امداد کو چوتھائی سے بھی کم کر دینا شامل ہے، جبکہ دوسری طرف وہ اس نئی کونسل پر دس ارب ڈالر نچھاور کر رہا ہے اور اپنے پیروکار ممالک کو بھی مزید دس ارب ڈالر دینے پر مجبور کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ کی کتنی شدید خواہش ہے کہ وہ موجودہ عالمی نظام کو ختم کر کے ایک نیا یک قطبی (unipolar) نظام تشکیل دے، جس میں حکم بھی اسی کا چلے، وہ اس کا واحد مستقل رکن ہو اور بین الاقوامی سطح پر 'ویٹو' کا حق رکھنے والا واحد ملک بھی وہی ہو۔

آج امریکہ، اپنے صدر ٹرمپ اور ان کے ساتھیوں کے نقطہ نظر سے، خود کو اکیلا وہ طاقت سمجھتا ہے جو عالمی معاملات کو تن تنہا اور بہترین طریقے سے چلانے کی اہل ہے، اور وہ فیصلے کرنے میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ وہ بین الاقوامی تعددیت (pluralism) کو قبول نہیں کرتا اور اسے یہ گوارا نہیں کہ کوئی دوسری بین الاقوامی طاقت عالمی نظام کی سیادت و قیادت میں اس کا مقابلہ کرے۔

لبنانی سیکورٹی ادارے اب بھی لوگوں کے خلاف اغوا کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں!

لبنانی فوج کے انٹیلی جنس ادارے کے اہلکاروں نے جمعہ 20 فروری 2026ء کو دوپہر تقریباً ایک بجے دارالحکومت بیروت میں کسی قانونی جواز، دستاویز یا عدالتی حکم کے بغیر اور انسان کے بنیادی حقوق اور وقار کا لحاظ کیے بغیر حزب التحریر لبنان کے دو نوجوانوں کو اغوا کر لیا، جن پر یہ بہانہ بنایا گیا کہ وہ پیٹرول پر ٹیکس میں اضافے اور ویلیو ایڈڈ ٹیکس (TVA) میں اضافے کے حوالے سے ایک پمفلٹ تقسیم کر رہے تھے!

اس واقعے پر حزب التحریر ولایہ لبنان کے میڈیا آفس نے ایک پریس بیان میں کہا: "اگرچہ انہیں آدھی رات کے بعد رہا کر دیا گیا تھا، لیکن اس معاملے اور ان رویوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر سیکورٹی اداروں کو لوگوں کی حفاظت کے لیے بنایا گیا ہے نہ کہ انہیں خوفزدہ کرنے یا اغوا کرنے کے لیے، مگر یہ ادارے اب بھی لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان کے بحرانوں کی ترجمانی کرنے والی حق کی آواز کو دبانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں، اور یہ لوگوں کے لیے آزادی چھیننے اور عدم تحفظ کا مجموعہ بن چکے ہیں!"

بیان میں مزید کہا گیا: "حزب التحریر ولایہ لبنان نے اپنے اس بیان میں - بلکہ اپنے تمام بیانات میں - جو بات کہی ہے وہ ملک کے عوام کا ایک عمومی مسئلہ ہے، جس میں ریاست کے ملازمین اور اس کے اداروں کے اہلکار بھی شامل ہیں! تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ ظالمانہ ٹیکس نافذ ہو جائیں اور لوگوں کی روزی روٹی کے ساتھ یہ کھلواڑ کسی روک ٹوک اور حساب کتاب کے بغیر چلتا رہے؟! اور اگر ریاست میں بنیادی تبدیلی سے مایوسی کی وجہ سے عوام خاموش رہنے کے عادی ہو گئے ہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اہل علم و فکر بھی ان حقوق کے بارے میں خاموش ہو جائیں؟! ایسا کبھی نہیں ہو گا یہاں تک کہ اللہ عزوجل ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے"۔

ایک ایسی تہذیب جو معصوم بچیوں کی چیخوں کو دولت کے قدموں تلے روند دیتی ہے اور ایک وہ تہذیب جو ایک عورت کی پکار پر فوج کو حرکت میں لے آتی ہے

تحریر: استاذہ رولا ابراہیم

(ترجمہ)

ایپسٹین کا معاملہ محض کوئی الگ تھلگ اخلاقی جرم نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کسی درست ڈھانچے میں انفرادی انحراف ہے، بلکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کی اصل حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ یہ نظامِ زندگی اپنی بنیاد ہی میں فاسد ہے۔ یہ صرف چند افراد کے گرنے کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس پورے نظام کے زوال کو بے نقاب کرتا ہے جس کی بنیاد ہی عقیدے سے اقدار کو الگ کرنے، سرمایہ دارانہ مفاد کو معیار بنانے، اور آزادی کو خواہشات کی تسکین کے لیے ایک پردے کے طور پر استعمال کرنے پر رکھی گئی ہے۔ اس نظام نے انسان کو اللہ کا بندہ بنانے کے بجائے خود اپنا قانون ساز بنا دیا ہے۔

چنانچہ جب نام نہاد "مہذب دنیا" کے دل میں بچپن کی حرمت کو پامال کیا جاتا ہے، اور پھر ان فائلوں کو اس وقت بند کر دیا جاتا ہے جب ان کا تعلق دولت اور طاقت کے مراکز سے جڑنے لگتا ہے، اور حکمران طبقے کے ڈھانچے کو بچانے کے لیے کسی ایک فرد کو قربانی کا بکرا بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تو اس وقت ہم محض نفاذ کی کسی غلطی کے سامنے نہیں ہوتے، بلکہ یہ نظریے اور قانون سازی کا ایک سنگین بحران ہے۔ مفاد پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام، جو حق کے بجائے فائدے پر قائم ہے، اس وقت جرم پیدا کرتا ہے جب وہ اس کے مفادات کی خدمت کرتا ہے اور پھر اسے اس وقت تحفظ فراہم کرتا ہے جب وہ اس کے تسلسل کے لیے خطرہ بن جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب ایک مادی اور مفاد پرست تہذیب ہونے کے ناطے عدل و انصاف کا کوئی مستقل ترازو نہیں رکھتی، کیونکہ اس نے وحی کی حاکمیت کو ختم کر کے اسے ناقص انسانی عقل کے سپرد کر دیا ہے جو خواہشات اور مفادات کے تابع ہے۔ اسی لیے یہ تہذیب عورت کا تحفظ صرف اسی حد تک کر سکتی ہے جہاں تک وہ سرمایہ دارانہ مفاد

کے کام آتی ہو، اور یہ بچے کی حفاظت صرف تب تک کرتی ہے جب تک وہ اقتدار اور دولت کے نفع نقصان کے حساب کتاب سے باہر ہو۔ چنانچہ جسے "خواتین کے حقوق" کہا جاتا ہے وہ دراصل کوئی انسانی تکریم نہیں بلکہ محض ایک کاروباری ضرورت کے تحت استعمال ہے، اور جسے "بچوں کے حقوق" کا نام دیا جاتا ہے وہ کوئی تقدس نہیں بلکہ ایک انتخابی پروپیگنڈا ہے۔ اس طرح عورت کو ایک وسیلے، بچے کو ایک فائل، اور انصاف کو ایک ایسے انتخابی عمل میں بدل دیا گیا ہے جسے نفع اور نقصان کی منطق کے تحت کبھی فعال کر دیا جاتا ہے اور کبھی معطل۔

اور جب اسکینڈلز سامنے آتے ہیں، تو نظام کا محاسبہ نہیں کیا جاتا، بلکہ کہانی کو نئے سرے سے گھڑا جاتا ہے اور بحران کو میڈیا کے ذریعے اس طرح سنبھالا جاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہر قسم کی پوچھ گچھ سے محفوظ رہے۔ بدعنوانی کو چند انفرادی واقعات تک محدود کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہاں جرم ایک بگڑے ہوئے فکری ڈھانچے کا فطری نتیجہ ہے۔

اس تہذیبی پستی کے مقابلے میں، اسلام ایک بالکل مختلف اور اصولی تصور پیش کرتا ہے، جو محض خیالی اخلاقیات کی سطح پر نہیں بلکہ نظام اور حکمرانی کی سطح پر ہے۔ سنہ 223 ہجری میں عموریہ کے واقعے میں، جب ایک مسلمان عورت نے "وا معتصماہ" (اے معتصم) کی پکار بلند کی، تو وہ کوئی بااثر شخصیت تھی اور نہ ہی کوئی سیاسی دباؤ کا ذریعہ، بلکہ وہ ایک ایسی ریاست کے سائے میں رہنے والی ایک عام انسان تھی جس نے عزت و وقار کو ایک "حکمِ شرعی" قرار دیا تھا جس کی حفاظت واجب ہے۔ خلیفہ نے جان لیا کہ اقتدار ایک امانت ہے اور وہ اللہ کے حضور اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہ ہے، نہ کہ سیاسی یا مفاد پرستانہ مصلحتوں کے سامنے۔ وہاں کوئی کمیٹیاں تشکیل نہیں دی گئیں اور نہ ہی اس معاملے کو میڈیا کے ذریعے دبایا گیا، بلکہ ریاست اپنی پوری طاقت کے ساتھ حق کا ترازو بحال کرنے کے لیے حرکت میں آگئی، کیونکہ اسلام عزت و وقار کو محض ایک نعرے کے طور پر نہیں بلکہ ایک شرعی سیاسی ذمہ داری کے طور پر دیکھتا ہے۔

یہ فرق محض کوئی تاریخی تفصیل نہیں ہے، بلکہ یہ مرجع اور نظریے کے اختلاف کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ جس وقت یورپی عورت پر سوچنے کے جرم میں مقدمے چلائے جا رہے تھے، اس وقت مسلمان عورت علم حاصل کر رہی تھی، دوسروں کو سکھا رہی تھی، علاج معالجہ کر رہی تھی اور عوامی زندگی میں بھرپور حصہ لے رہی تھی۔ جامعہ القرویین کی بنیاد فاطمہ الفہریہ نے رکھی تھی، اور یہیں سے اور اندلس و صقلیہ (سسلی) کے راستے علوم یورپ منتقل ہوئے۔ یہ منتقلی صرف معلومات اور علم کی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک ایسے تہذیبی تصور کی منتقلی تھی جو انسان کو اللہ کا بندہ دیکھتا ہے اور اسے اس کی مادی افادیت کے بجائے اس کی انسانیت کی بنیاد پر معزز سمجھتا ہے۔

چنانچہ مغرب اپنے تمام تر آلات اور انجمنوں کے ذریعے ایک منظم عالمی فکری حملے میں مصروف ہے تاکہ مسلمان عورت کو اس کے نظریاتی و عقائدی مرجع سے جدا کر دے، اور اسے ایک ایسے مفاد پرست نظام کے تحت دوبارہ متعارف کروائے جہاں اس کی قدر و قیمت کا معیار نظام کے لیے اس کی افادیت ہو، نہ کہ اس کی عزت یا شریعت۔ اس سارے عمل کو "آزادی، بااختیار بنانے (ایم پاور منٹ) اور نسائیت (فیمینزم)" کا لبادہ پہنا کر پیش کیا گیا، جبکہ حقیقت میں یہ ایک مفاد پرست نظام میں زبردستی شامل کرنے کا عمل ہے جو انسان کی قیمت اس بنیاد پر لگاتا ہے کہ وہ نظام کے لیے کتنا فائدہ مند ہے۔ یہ نظام عورت کو نفع اور نقصان کے ترازو میں تولتا ہے، عزت اور احکامِ شرعیہ کے معیار پر نہیں۔

آج جب مغربی تہذیب نے خود کو بے نقاب کر دیا ہے، تو میں مغربی فکر کی برآمد کنندہ فیمنسٹ خواتین اور انسانی حقوق کی تنظیموں سے کہتی ہوں کہ تمہارا جھوٹ اور فریب اب کھل کر سامنے آ چکا ہے! مغرب کی راہداریوں میں معصوم بچیوں کی چیخیں اور ایپسٹین اسکینڈلز میں تمہاری مظلوم خواتین، تمہارے اندر کوئی جنبش تک پیدا نہ کر سکیں، کیونکہ تم اس نظام کا حصہ ہو جو جرم، دولت اور طاقت کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور حقوق کی بولی لگاتا ہے۔ اس کے برعکس، پاکدامن اور معزز مسلمان عورت تمہاری بدعنوانی کو بے نقاب کرتی ہے اور تمہارے دوہرے معیاروں کا پردہ چاک کرتی ہے۔ وہ تمہارے سامنے یہ سچائی رکھتی ہے کہ اسلام عورت کو کوئی مالِ تجارت یا محض ایک نعرہ نہیں بناتا، بلکہ اس کی عزت و حرمت ایک ایسا "حکمِ شرعی" ہے جس کی حفاظت ریاست اپنی پوری قوت، اقتدار اور حق کے ساتھ کرتی ہے۔ آج مسلمان عورت کے سامنے ایک ایسا انتخاب ہے جس میں ہچکچاہٹ کی کوئی گنجائش نہیں: یا تو وہ ایک ایسی دم توڑتی تہذیب کا آلہ کار بن جائے جو انسان کی حرمت کو پامال کرتی ہے، یا پھر اس عالمی اسلامی منصوبے کا باشعور حصہ بنے جو انسان کو اس کا اصل توازن لوٹاتا ہے اور اس کی عزت کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ ذرا سوچیے، انسانیت کی قیادت کی حقدار کون سی تہذیب ہے؟ وہ تہذیب جو اثر و رسوخ کے اندھیروں میں معصوم بچیوں کی چیخوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور معصومیت کو دولت و طاقت کے قدموں تلے دفن کر دیتی ہے، یا وہ تہذیب جس نے ایک عام عورت کی پکار کو وہ اہمیت دی کہ اس نے حکمران کو تڑپا دیا، فوج کو تیار کر دیا اور ایک پوری ریاست کو ہلا کر رکھ دیا؟

راستہ بالکل واضح ہے اور اس میں غیر جانبداری کی کوئی جگہ نہیں: یا تو مفاد پرستی، زوال اور غلاظت کی تہذیب ہے، یا پھر وحی، عدل، قیادت اور پاکدامنی کی تہذیب ہے۔ ﴿**قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ**﴾ "بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آچکی ہے" (سورۃ المآئدہ: آیت 15)

بنگلہ دیش کے انتخابات میں انتخابی منشور: نمائشی حل جن میں حقیقی حل کا فقدان ہے

حال ہی میں بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی (BNP) اور بنگلہ دیش جماعتِ اسلامی نے اپنے تفصیلی انتخابی منشور پیش کیے ہیں، جو کہ اگرچہ بعض پہلوؤں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن مجموعی طور پر دونوں ہی مغربی سرمایہ دارانہ ماڈل سے ماخوذ ریاست کا وژن پیش کرتے ہیں۔ بی این پی کا منشور، جس کا عنوان "بنگلہ دیش سب سے پہلے" ہے، ایک جمہوری معیشت کے حامل ملک کی تعمیر کے منصوبے پر مرکوز ہے، اور اس کا مقصد 2034 تک بنگلہ دیش کو ایک ایسی ریاست بنانا ہے جس کی آمدنی اوسط سے زیادہ ہو اور معیشت کا حجم ایک ٹریلین ڈالر تک پہنچ جائے۔ دوسری طرف، جماعتِ اسلامی کا منشور بعنوان "محفوظ اور انسانی بنگلہ دیش کا منشور" واضح طور پر ایک شفاف اور جوابدہ ریاست کے قیام کی دعوت دیتا ہے، اور اس کی توجہ انصاف، ادارہ جاتی اصلاحات اور سماجی تحفظ پر مرکوز ہے۔

اس کے پیشِ نظر، حزب التحریر ولایہ بنگلہ دیش کے میڈیا آفس نے ایک پریس بیان میں کہا ہے: ہم واضح طور پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ منشور محض نمائشی وعدوں اور کھوکھلی تقاریر کے سوا کچھ نہیں، اور یہ اپنی اصل میں حقیقی آزادی اور خود مختار ترقی حاصل کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ یہ جدید نو آبادیاتی استحصال کے بنیادی طریقہ کار، جیسے زراعت پر سبسڈی ختم کرنے، نجکاری اور مقامی صنعتوں کو تباہ کرنے والی پالیسیوں سے متعلق بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور ورلڈ بینک کے احکامات کو چیلنج کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں۔ جب کہ یہ جماعتیں براہِ راست غیر ملکی سرمایہ کاری اور کھلی منڈیوں کی تشہیر کرتی ہیں، وہ درحقیقت توانائی کے شعبے جیسے مقامی اثاثے شیورون (Chevron) اور ایکسون موبل (ExxonMobil) جیسی کمپنیوں کے حوالے کر رہی ہیں، اور سٹریٹیجک بندرگاہیں نجی شعبے کے سپرد کر رہی ہیں، جس سے معاشی غلامی کا تسلسل یقینی ہوتا ہے۔ آخر کار، جب تک اس استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور "ٹپکتی ہوئی ترقی" (trickle-down development) کے اس ماڈل کو مسترد کرنے کا حقیقی عزم نہیں کیا جاتا جو عوامی دولت کو لوٹتا ہے، تب تک یہ منشور اس بدعنوانی اور ڈھانچہ جاتی جبر کا کوئی حقیقی متبادل پیش نہیں کرتے جو لوگوں کو غریب بناتا ہے اور حقیقی آزادی کی راہ بند کر دیتا ہے۔

بیان میں مزید کہا گیا: لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر سیاسی حکمران بدل بھی جائیں تب بھی جابرانہ سرمایہ دارانہ نظام عام لوگوں کو نقصان پہنچاتا رہے گا تاکہ چند اشرافیہ اور ان کے نو آبادیاتی اتحادیوں کو نواز سکے۔ لہٰذا، کوئی بھی ایسا وعدہ جو اس نظام کو جڑ سے نہیں اکھاڑتا، وہ صرف ایک نمائشی تبدیلی ہے جو حقیقی آزادی کی طرف نہیں لے جاسکتی۔ اس لیے ہم تمام لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کی کوشش میں متحد ہو جائیں، کیونکہ یہی وہ واحد نظام ہے جو انصاف کی ضمانت دینے، خود انحصاری پر مبنی صنعت سازی کو بااختیار بنانے اور امت کا وقار بحال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

اے امتِ مسلمہ کے بیٹو! شرعی اور عقلی طور پر آپ پر واجب ہے کہ

ان 'رویبضہ '(نااہل و جاہل) مسلم حکمرانوں اور ان کے حواریوں بشمول وزراء، نمائندوں اور مندوبین نے ذلت و رسوائی کو اس حد تک اپنا لیا ہے کہ یہ اب ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے، اور وہ حیا کے ہر قطرے سے محروم ہو چکے ہیں۔ ٹرمپ انہیں حکم دیتا ہے تو وہ فوراً لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑتے ہیں، وہ یہودی وجود کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتے ہیں، انہوں نے اسے سرزمینِ مبارک (فلسطین) میں جو چاہے کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، اور وہ اپنے فضائی راستے اس (یہودی وجود) کے طیاروں اور میزائلوں کے لیے کھول دیتے ہیں تاکہ وہ دندناتے پھریں اور مسلمانوں کے ممالک کی حرمتیں پامال کریں اور لبنان، شام، یمن اور ایران میں ان کا خون بہائیں۔

پس اے مسلمانو! یہ رویبضہ حکمران کب تک تمہیں تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں بیچتے رہیں گے اور تمہارے مسائل کو برباد اور ضائع کرتے رہیں گے ؟۔ اور یہ استعماری طاقتوں کو تم پر اور تمہارے ممالک پر قابض کروانے میں کس حد تک آگے جائیں گے۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں جن سمندروں اور آبی گزرگاہوں سے نوازا ہے ان کے ذریعے تم ان دشمنوں کا گلا گھونٹ سکتے ہو، اور اللہ نے تمہیں جو دولت عطا فرمائی ہے اس کے ذریعے تم ان کی زندگی کی راہیں کاٹ سکتے ہو؟۔ تو کیا ان ممالک کے لیے تمہارے ملکوں پر قبضہ کرنا ممکن ہوتا اگر یہ نادان حکمران نہ ہوتے ؟۔

اے امتِ مسلمہ کے بیٹو اور اس کے اہل قوت اور باثر افراد! شرعی اور عقلی طور پر آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ اپنا معاملہ طے کریں اور اپنا فیصلہ کن ارادہ کریں۔ ان غدار حکمرانوں اور ان کے نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، اور ایک ایسا خلیفہ مقرر کریں جو آپ سب پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکمرانی کرے۔ اور یہ حزب التحریر، وہ رہنما جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، تمہارے درمیان اور تمہی میں سے ہے، پس اس کے ساتھ مل کر کام کرنے اور نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے اس کی نصرت کرنے میں جلدی کرو، جو تمہیں اس ذلت سے نجات دلائے گی۔

جب نگہبان (راعی) غائب ہو اور ریاست ٹیکس وصول کرنے والی بن جائے، تو لوگ ڈوب کر مرتے ہیں!

حزب التحریر ولایہ سوڈان کے سرکاری ترجمان جناب ابراہیم عثمان (ابو خلیل) نے ایک پریس بیان میں کہا: خبریں موصول ہوئی ہیں کہ ہفتہ 14 فروری 2026ء کو سفید نیل میں 'ود الزاکی' کے علاقے میں 'الصوفی' سے آنے والی ایک کشتی ڈوبنے کے نتیجے میں بارہ افراد جاں بحق ہو گئے ہیں۔ اور بدھ 11 فروری 2026ء کو دریائے نیل عبور کرتے ہوئے ایک اور کشتی ڈوبنے سے 21 افراد جاں بحق ہو گئے، یہ کشتی ولایتِ نیل میں 'طیبۃ الخواض' اور 'دیم القرائی' کے درمیان مسافروں کو لے جا رہی تھی۔

استاد ابو خلیل نے مزید کہا: اس معاملے میں اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حادثات عدمِ توجہی اور ذمہ داری کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہوئے، ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ ناقص انتظام تھا کیونکہ ایسے واقعات سوڈان کے کئی علاقوں میں بار

بار ہوتے ہیں، اور ان سب کی وجہ ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ ریاست لوگوں کو دریا عبور کرنے کے لیے محفوظ کشتیاں فراہم کرنے میں اپنا کردار ادا نہیں کر رہی اور نہ ہی لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کا اپنا شرعی فریضہ پورا کر رہی ہے۔ سوڈان میں قائم موجودہ ریاست 'دولتِ رعایت' (عوام کا خیال رکھنے والی ریاست) نہیں بلکہ 'دولتِ جبایہ' (ٹیکس بٹورنے والی ریاست) ہے، اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ڈوب کر مریں، بھوک سے مریں، بیماری سے مریں یا کسی مصنوعی جنگ کی نذر ہو جائیں، اسے تو بس لوگوں کی جیبوں سے غرض ہے جیسا کہ وزیر خزانہ نے خود صاف الفاظ میں کہا ہے۔ بلکہ حکومت تو ان لوگوں کے خلاف لڑ رہی ہے جو 'دولتِ رعایت' یعنی اسلامی ریاست، نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ 'الابیض' شہر میں حزب التحریر کے نوجوانوں کے خلاف جھوٹے اور من گھڑت مقدمات درج کر رہی ہے، انہیں جیلوں میں ڈال رہی ہے اور انہیں ضمانت کے حق سے بھی محروم کر رہی ہے تا کہ وہ اتوار 22 فروری 2026ء کو سماعت کے دن تک تقریباً ایک ماہ جیل میں ہی رہیں۔

ابو خلیل نے کہا: لیکن ہم حزب التحریر ولایہ سوڈان میں جیلوں سے نہیں ڈریں گے اور نہ ہی یہ مقدمات ہمیں خوفزدہ کر سکتے ہیں، کیونکہ ہم ایک عظیم فریضہ سر انجام دے رہے ہیں جس سے بہت سے لوگ پیچھے ہٹ چکے ہیں، باوجود اس کے کہ نبی ﷺ نے اس فرض سے پیچھے ہٹنے والوں کو جاہلیت کی موت کی وعید سنائی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: **«وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»** "اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ پس اے سوڈان کے لوگو! اپنے رب کے فرض، اپنی عزت کے منبع اور اپنے معاملات کی حقیقی نگہبان 'خلافت' کے قیام کے لیے حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے آگے بڑھو، اسی میں تمہارے رب کی رضا ہے۔

اعتدال اور وسطیت کے نام پر اسلامی بیانیے کی وحدت کی کانفرنس

تحریر: استاد احمد الصورانی

(ترجمہ)

15 فروری 2026ء براز اتوار کو دمشق کے 'قصر المؤتمرات' (کانفرنس پیلس) میں وزارتِ اوقاف کی پہلی کانفرنس بعنوان "اسلامی بیانیے کی وحدت" کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ یہ کانفرنس ریاست کی سربراہی اور سپریم افتاء کونسل کی سرپرستی میں منعقد ہوئی، جس میں شام کے مختلف صوبوں سے تعلق رکھنے والے مختلف علمی اور دعوتی مکاتبِ فکر کے علماء، مبلغین اور سرکاری و مذہبی شخصیات نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کا اختتام کئی سفارشات پر ہوا جنہیں ایک حتمی چارٹر (میثاق) کی شکل دی گئی۔ میڈیا کے ذرائع، بشمول سرکاری خبر رساں ایجنسی 'سانا' نے، اس کے چھٹے اصول پر خاص توجہ مرکوز کی اور اس بات پر زور دیا کہ اس کانفرنس کا مقصد مذہبی بیانیے کو اعتدال اور وسطیت کے منہج پر متحد کرنا ہے۔

مذہبی بیانیے کو اعتدال اور وسطیت کی بنیاد پر متحد کرنے کا تصور دراصل "مذہبی بیانیے کی تجدید" کے اسی خیال کا دوسرا نام ہے جسے مغربی ممالک ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا مقصد اس بیانیے کا مقابلہ کرنا ہے جسے 'شدت پسند'، 'انتہا پسند' اور 'دوسروں کو رد کرنے والا' (ایکسکلوژنسٹ) بیانیہ قرار دیا جاتا ہے۔

کانفرنس کے چارٹر کے چھٹے اصول میں درج ہے کہ: "اعتدال اور وسطیت ایک مستند اسلامی منہج ہے، اور یہ وہ پیمانہ ہے جس کے ذریعے ہر مذہبی بیانیے کو افراط و تفریط (کمی یا زیادتی) سے دور رکھ کر منظم اور قابو میں لایا جائے گا۔" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً﴾ "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا" (سورۃ البقرۃ: آیت 143)

پس، اصل مقصد مذہبی بیانیے کو کنٹرول کرنا ہے، یعنی اس مبینہ بنیاد پر شرعی احکامات اور فتووں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جو کسی بھی مذہبی بیانیے کی سمت متعین کرے گی، خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، اور ان دیگر تعبیرات کے سامنے رکاوٹ بنے گی جو افراط یا تفریط کی طرف مائل ہو سکتی ہیں۔

لیکن اس آیتِ کریمہ کا اصل مطلب کیا ہے؟ کیا یہ واقعی 'وسطیت اور اعتدال' کے اس منہج کی طرف اشارہ کرتی ہے، یا کسی اور چیز کی طرف؟

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے"(سورۃ البقرۃ: آیت 143)۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلے کی طرف اس لیے پھیرا اور اسے تمہارے لیے اس لیے چنا تاکہ ہم تمہیں تمام امتوں میں سے بہترین امت بنائیں، تاکہ تم قیامت کے دن دیگر امتوں پر گواہ بنو۔ کیونکہ تمام لوگ تمہاری فضیلت کا اعتراف کریں گے۔ یہاں 'وسط' سے مراد 'بہترین اور عمدہ ترین' ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قریش نسب اور گھر کے لحاظ سے عربوں میں سب سے 'اوسط' ہیں، یعنی سب سے بہتر ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنی قوم میں 'وسط' تھے، یعنی نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ معزز۔ اسی سے 'نمازِ وسطیٰ' (درمیانی نماز) ہے جو کہ تمام نمازوں میں سب سے بہترین نماز ہے، اور وہ عصر کی نماز ہے، جیسا کہ صحیح احادیث اور دیگر ذرائع سے ثابت ہے۔ اور جب اللہ نے اس امت کو 'وسط' (بہترین) بنایا تو اسے مکمل ترین شریعت، درست ترین طریقہ کار اور واضح ترین مسلک سے بھی نوازا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ "اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تمہیں چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اسی نے پہلے تمہارا نام 'مسلم' رکھا اور اس کتاب میں بھی، تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو"۔" یہاں ابن کثیر کی گفتگو ختم ہوئی۔ (سورۃ الحج: آیت 78)

پس، 'وسطیت' کا اصل مفہوم یہی ہے: یعنی بہترین اور برتر ہونا۔ اس میں عدل و انصاف کی اس صفت کا معنی بھی شامل ہے جو گواہوں کے لیے لازمی ہے، اور یہ امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایک بنیادی شرط ہے جو قیامت کے دن دیگر امتوں پر اس بات کی گواہی دے گی کہ رسولوں کے پیغامات ان تک پہنچ چکے تھے۔ یہ نظریہ اس 'معتدل اور وسطی بیانیے' کے تصور کی قطعی نفی کرتا ہے جو مغرب کو خوش کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے، جس کا مقصد اسلام کے احکامات میں تبدیلی لانا ہے تاکہ انہیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ یہ (مغربی تصور) ہر اس اسلامی

بیانیے کو 'انتہا پسند' قرار دیتا ہے جو عملی زندگی میں اسلام کی حکمرانی کی دعوت دیتا ہے اور مومنین و کافرین کے درمیان واضح امتیاز کی بات کرتا ہے، اور اسے اس اعتدال کے خلاف سمجھتا ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب ایک ایسا اسلام چاہتا ہے جس سے رہنمائی صرف حیض، طہارت، نماز، حج اور انفرادی عبادات کے مسائل تک محدود ہو۔ وہ ایسا اسلام ہرگز نہیں چاہتا جو دنیا کے سیاسی، معاشی اور سماجی نقشے کو بدل کر رکھ دے اور سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کے طور پر ایک نظام بن کر ابھرے، کیونکہ یہی سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کی تمام تر بدبختیوں کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے مغرب موجودہ شامی انتظامیہ پر یہ دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ ریاست اور معاشرے میں اسلام کو نہ اپنائے، بلکہ اسلام صرف مساجد اور پرسنل لاء (عائلی قوانین) کے چند حصوں تک ہی محدود رہے۔ وہ انہیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر اس اسلامی رجحان یا بیانیے کو کچل دیں جو شام میں ایک ایسی حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جو اسلام کو زندگی کے ایک مکمل اور جامع نظام کے طور پر نافذ کرے۔

اس صورتحال میں، کانفرنس کے منتظمین یعنی علماء اور مشائخ کے لیے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اس اجلاس کو شامی انتظامیہ سے شریعتِ اسلامی کے نفاذ اور ملک میں سیکولر طرزِ حکومت کے خاتمے کے مطالبے کا ذریعہ بناتے۔ کیونکہ صرف اسلامی نظام ہی ہمارے تمام مسائل کو حل کرنے کا ضامن ہے اور یہی اسلامی مسالک اور فرقوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کے دائرے کو محدود کر سکتا ہے۔ جیسا کہ علمِ اصول کے ماہرین نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ 'حاکم (امام) کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے'۔

اصل مسئلہ اسلامی بیانیوں کا تنوع یا بہتات نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ امت کے اس نگران اور سربراہ کا نہ ہونا ہے جو اسلام کے احکامات کے مطابق اس کے معاملات چلائے، اس کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کرے، اس کے مظلوموں کی مدد کرے، اس کی سرحدوں کی حفاظت کرے، اور ذلت، رسوائی، انتشار، بربادی اور مشرق و مغرب کی غلامی میں گزرنے والی ایک صدی کے بعد اسے اس کی کھوئی ہوئی عزت اور باوقار زندگی دوبارہ لوٹا دے۔

تاریخ آپ پر گواہ ہے اور مستقبل آپ کا منتظر ہے

امتِ مسلمہ اپنی قوت کے بہت سے عناصر کھو چکی ہے، اور یہ تعداد یا ساز و سامان کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی اس تہذیبی وراثت سے کٹ چکی ہے جو عدل و انصاف کو سیاست کی بنیاد اور عزت و وقار کو اعتراف کی شرط قرار دیتی ہے۔ اس وراثت کی بحالی محلات یا مذمتی بیانات سے شروع نہیں ہوتی، بلکہ امت میں اس شعور کی تعمیرِ نو سے شروع ہوتی ہے کہ اس کی قوت اور عزت اس کی ریاست اور اس کے دین میں ہے، اور یہ کہ غلبہ و تحفظ صرف اسلامی ریاست ہی میں ممکن ہے۔ امت کو یہ ادراک ہونا چاہیے کہ عزت و وقار خیرات میں نہیں ملتا بلکہ اسے چھینا جاتا ہے، اور جو آج اپنے اصولی موقف سے دستبردار ہو گا، وہ کل اپنی زمین سے بھی دستبردار ہو جائے گا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ امتِ مسلمہ اپنی خود اعتمادی بحال کرے، اور وہ تابع بننے کی بجائے گواہ (رہنما) کے مقام پر واپس آئے، اور تماشائی بننے کے بجائے صاحبِ معاملہ بنے۔ اے امتِ مسلمہ کے بیٹو! تمہاری عزت کبھی بھی دوسروں کی غلامی یا ان کی اندھی تقلید میں نہیں تھی، بلکہ تمہاری عزت تمہارے اس عقیدے میں تھی جس نے حکمران سے پہلے انسان کی تعمیر کی اور عمارتوں سے پہلے ریاست کی بنیاد رکھی۔ تمہارا مقام نعروں سے نہیں بلکہ اسلام کو بطور ضابطہ حیات بحال کرنے کے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ محنت سے، اور اپنی اس ریاست کی طرف واپسی سے حاصل ہو گا جس میں تمہاری عزت ہے، تاکہ تمہارا رعب و دبدبہ بحال ہو اور دنیا تمہاری طاقت کا لوہا مانے۔ تاریخ تم پر گواہ ہے اور مستقبل تمہارا منتظر ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ "اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا" (سورۃ الحج، آیت 40)

مسلمان حکمران اور ان کے حواری: مسلمانوں پر قہر، کافروں پر مہر

انڈونیشیا کے صدر نے 'پیس کونسل' کے اجلاس کے دوران، جمعرات کو کہا کہ "ہم استحکام فورس میں شرکت کے لیے 8000 سے زائد فوجی فراہم کرنے کے پابند ہیں"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ہم نے صدر ٹرمپ کے منصوبے سے اتفاق کیا ہے اور اس کے پابند ہیں، اسی لیے ہم پیس کونسل میں شامل ہوئے ہیں اور اس کی کامیابی کے لیے پرعزم ہیں"۔

الرایہ: مسلمان حکمرانوں نے اپنی افواج کو غزہ کو اس نسل کشی سے بچانے کے لیے حرکت نہیں دی جو یہودی دو سال سے زیادہ عرصے سے وہاں برپا کیے ہوئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کا حکم دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ. لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»** "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے (دشمن کے حوالے کر کے) بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری فرماتا ہے، اور جو کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا" (بخاری و مسلم)۔

لیکن یہ حکمران ٹرمپ کی کونسل میں شامل ہونے، رقوم فراہم کرنے، وعدے اور تعاون کرنے اور مسلمانوں کی افواج بھیجنے کے لیے قطاریں لگا کر پہنچ گئے تاکہ اس (ٹرمپ) کے مقصد کو پورا کر سکیں، جو کہ غزہ کو غیر مسلح کر کے، اسے نوآبادی بنا کر اور سیاحتی مراکز میں تبدیل کر کے یہودی وجود کو تحفظ فراہم کرنا ہے، تاکہ وہ اپنے خلاف خود یہ گواہی دے دیں کہ وہ مسلمانوں کے لیے جنگ اور کافروں و استعمار پسندوں کے لیے امن کا ذریعہ ہیں۔ اور یہ انڈونیشیا کا صدر ان حکمرانوں کی ایک مثال ہے جو امت کے دشمنوں کے ساتھ صف آرا ہو گئے ہیں، اللہ ان حکمرانوں کو غارت کرے جنہوں نے اپنے دین کے بدلے دوسروں کی دنیا خرید لی!۔

امریکیوں کے شام کی التنف چھاؤنی چھوڑنے کے پس پردہ حقائق

تحریر: استاد نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

ایک انتہائی حساس علاقائی لمحے میں شام کے صحرائے بادیہ کی گہرائی میں واقع التنف فوجی اڈے سے امریکہ کی دستبرداری نے جوابات سے زیادہ سوالات کو جنم دیا ہے۔ التنف محض صحرا کے وسط میں کوئی تنہا فوجی چوکی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک ایسا جغرافیائی وسیاسی مرکز تھا جو شام، عراق اور اردن کے سنگم پر راستوں کو کنٹرول کرتا تھا، اور واشنگٹن، تہران اور ماسکو کے درمیان توازن کی مساوات میں ایک حساس کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ برسوں کے دوران یہ چھاؤنی ایک ایسی امریکی موجودگی کی علامت بن گئی تھی جو تعداد میں تو محدود تھی لیکن اپنے مفہوم میں بہت گہری تھی۔ یہ نگرانی کا ایک راستہ، سٹریٹیجک زمینی گزرگاہوں میں رکاوٹ ڈالنے والا مقام اور خود شام کے جغرافیہ سے کہیں بڑے مذاکرات میں بالواسطہ دباؤ کا ایک ذریعہ تھی۔

لہٰذا، یہاں سے رخصتی کو محض ایک انتظامی اقدام یا عارضی فوجی نقل و حرکت کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ یہ ترجیحات کی از سر نو ترتیب اور اثر و رسوخ بر قرار رکھنے کے فلسفے میں تبدیلی کا اشارہ ہے۔ کیا یہ اخراجات کم کرنے اور تھکا دینے والے محاذوں سے پیچھے ہٹنے کے لیے ایک جنگی حکمتِ عملی ہے؟ یا شام سے باہر کے معاملات سے متعلق کسی وسیع تر علاقائی معاہدے کے تحت اٹھایا گیا ایک نپا تلا قدم ہے؟ یا پھر یہ ایک ڈھکا چھپا پیغام ہے کہ بڑی علامتی اہمیت رکھنے والے چھوٹے فوجی اڈوں کا دور ختم ہو چکا ہے تاکہ دور بیٹھ کر تنازعات کو سنبھالنے کے دور کا آغاز ہو سکے؟

بڑی تبدیلیوں کی پیمائش پیچھے ہٹنے والے فوجیوں کی تعداد سے نہیں، بلکہ اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں اور اسے کون پُر کر رہا ہے۔ کیونکہ التنف محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں تھا بلکہ کئی منصوبوں کے درمیان ٹکراؤ کا نقطہ تھا: شام کی اپنی سرحدوں پر خود مختاری کی بحالی کا منصوبہ، دارالحکومتوں کو زمین کے ذریعے جوڑنے کا ایک علاقائی منصوبہ، اور مشرقِ وسطیٰ میں اپنی موجودگی کی نئی تعریف کرنے کا ایک امریکی وژن۔

ایک ایسی دنیا میں جہاں بحران آپس میں ٹکراتے ہیں اور درست سمت کا تعین مشکل ہو جاتا ہے، التنف سے دستبرداری محض ایک فوجی خبر سے بڑھ کر ہے، بلکہ یہ نئے توازن کے انتخاب کا لمحہ اور علاقائی تنازع کے ڈھانچے میں گہری تبدیلیوں کا آئینہ دار ہے۔ یہیں سے اصل صورتحال کا ادراک شروع ہوتا ہے: سوال یہ نہیں کہ امریکہ کیوں گیا؟ بلکہ یہ ہے کہ ابھی اور خاص طور پر اسی وقت جانے کے کیا معنی ہیں؟

التنف کا فوجی اڈہ شام، عراق اور اردن کے سرحدی مثلث میں دمشق-بغداد بین الاقوامی شاہراہ پر واقع سٹریٹیجک التنف گزرگاہ کے قریب واقع ہے، جہاں یہ اڈہ 2016 میں داعش سے لڑنے کے بہانے امریکہ کی قیادت میں ایک صلیبی اتحاد کے تحت قائم کیا گیا تھا، لیکن یہ ایک ایسے سیاسی مرکز میں تبدیل ہو گیا جو تہران اور بیروت کے درمیان زمینی رابطے میں رکاوٹ بنتا تھا۔

اس واقعے کو صرف ایک فوجی اقدام کے طور پر نہیں بلکہ علاقائی توازن میں تبدیلی کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ التنف چھاؤنی سے امریکی افواج کا مکمل انخلاء ہوا اور اسے ہفتوں تک جاری رہنے والی بتدریج واپسی کے بعد شامی فوج کے حوالے کر دیا گیا، جس کے لیے اردن کے ساتھ ہم آہنگی کی گئی تھی، اور شامی فوج نے سرحدی مثلث (شام، عراق، اردن) کے ارد گرد کے علاقے میں اپنے یونٹس اور سرحدی محافظوں کی تعیناتی شروع کر دی ہے۔ مختلف ذرائع کے مطابق: "امریکی افواج کے انخلاء کے بعد شامی فوج نے التنف چھاؤنی کا کنٹرول سنبھال لیا ہے" (یورونیوز)۔

یہ قدم بین الاقوامی اتحاد کے فریم ورک کے اندر، ان کے دعوے کے مطابق، داعش کا مقابلہ کرنے میں اڈے کا پرانا سٹریٹیجک کردار ختم ہونے کے بعد اٹھایا گیا ہے۔ امریکہ نے بیان دیا ہے کہ "اس کا انخلاء منظم تھا، اور وہ ضرورت پڑنے پر فضائی قوت اور انٹیلی جنس معلومات کا استعمال کرتے ہوئے داعش کے خطرات کا جواب دینے کی صلاحیت برقرار رکھے گا" (ڈیفنس نیوز)۔

یہ انخلاء صحرائے بادیہ میں مجموعی عدم استحکام کو مزید گہرا کرتا ہے، جو برسوں کی جنگ کے بعد کمزور سیکورٹی نگرانی اور سماجی عدم استحکام کا شکار علاقہ ہے، جیسا کہ الجزیرہ نیٹ کہتا ہے: "تنظیم ریاست (داعش) اور نئے شام میں اس کی واپسی کے خطرات"۔ وہاں جنگجوؤں سے بھری جیلیں موجود ہیں جہاں سے منتقلی یا فرار کے ممکنہ امکانات ہیں، کیونکہ رپورٹس میں ہزاروں قیدیوں کو عراقی صوبوں میں منتقل کرنے کی بات کی گئی ہے اور سیکورٹی میں تضاد کے دوران اسمگلنگ یا فرار کی ویڈیوز بھی سامنے آئی ہیں: "حقائق: شام میں زیرِ حراست داعش کے ارکان کو اب کہاں رکھا گیا ہے؟" (رائٹرز)۔

امریکی موجودگی کے بجائے شامی حکومتی افواج کی موجودگی اس مقام کے مستقبل میں کسی بھی ممکنہ امریکی-ایرانی تصادم کے دوران براہ راست ہدف بننے کے امکانات کو کم کر دیتی ہے، کیونکہ اب یہ امریکی ہدف نہیں رہا۔ یعنی اس منتقلی سے یہ خطرہ کم ہو جاتا ہے کہ بڑے ٹکراؤ کی صورت میں خود یہ چھاؤنی نشانہ بنے، کیونکہ اب اس کا کنٹرول اس کے اپنے قومی مالکان کے پاس ہے۔ اگر یہ امریکہ کے زیرِ اثر رہتی تو یہ براہ راست اتحاد سے وابستہ مقام سمجھا جاتا، جس کی وجہ سے تنازع پھیلنے کی صورت میں یہ امریکی دشمنوں کے جوابی حملوں کا نشانہ بن سکتا تھا۔ "شامی فوج کا 54 واں ڈویژن چھاؤنی کے اندر اور اس کے گردونواح میں عراق اور اردن کی سرحدوں پر حفاظتی کمک کے ساتھ تعینات ہو چکا ہے"۔ (العربی الجدید)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شام میں امریکی موجودگی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ فرات کے مشرقی علاقوں یا اردن جیسے دیگر مقامات پر منتقل ہو گئی ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ التنف سے یہ انخلاء خطے کے بارے میں امریکی نقطہ نظر کی تبدیلی کا حصہ ہے، جس کا مقصد اثر و رسوخ کے ذرائع کی نئی تعریف کرنا ہے، کیونکہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی حکمتِ عملی گزشتہ کئی برسوں سے تین اہم ستونوں پر مبنی ہے:

1) بھاری بھرکم اور مہنگے مستقل فوجی اڈوں کو کم کرنا اور اسے زمینی قبضے کے بجائے نیٹ ورک (رابطوں) کے ذریعے کنٹرول میں بدلنا۔

2)درست نشانے والی کارروائیوں، انٹیلی جنس اور مقامی اتحادیوں پر انحصار کرنا، تاکہ علاقائی طاقتوں کے ساتھ براہ راست ٹکراؤ کم سے کم ہو۔

3)اپنی سٹریٹیجک توجہ ایشیا اور چین کے گھیراؤ پر مرکوز کرنا، یعنی کسی دور افتادہ چھاؤنی کی روزمرہ حفاظت کی ذمہ داری اٹھائے بغیر مداخلت کی صلاحیت کو برقرار رکھنا۔

درج بالا حقائق کی روشنی میں، سیاست کا اندازہ جانے والے فوجیوں کی تعداد میں تبدیلی سے نہیں بلکہ اس علاقائی نظام سے لگایا جاتا ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اس فوجی اڈے کو چھوڑنا محض ایک عسکری باب کا خاتمہ نہیں بلکہ قوتوں کی ترتیب (انجنیرنگ) میں تبدیلی کا ایک خاموش اعلان ہے۔ یعنی زمین پر مضبوط قبضے سے نکل کر فضا، معیشت اور معلومات میں لچکدار موجودگی کی طرف منتقلی۔ یہ 'چھاؤنیوں کے جغرافیہ' سے 'نیٹ ورکس کی جیوپالیٹکس' کی طرف منتقلی کا لمحہ ہے۔

آج شام توازن کے ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جو صرف اس کی سرحدوں تک محدود نہیں بلکہ گزرگاہوں، سرحدوں، پابندیوں اور تعمیرِ نو کی رفتار کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت سے وابستہ ہے۔ اس مرحلے میں سب سے خطرناک چیز خلا (ویکیوم) نہیں بلکہ اس خلا کا غلط اندازہ لگانا ہے۔ جب کوئی بڑی طاقت کسی علامتی مقام سے پیچھے ہٹتی ہے تو کوئی علاقائی طاقت نہ صرف اس جگہ کو پُر کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہے بلکہ اپنے اثر و رسوخ کی حدود کا انتخاب بھی کرتی ہے، اور یہیں سے خطے کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے: یا تو یہ ایک نپا تلا مقابلہ ہوگا جو کسی بڑے دھماکے کو روکے گا، یا پھر یہ ایسی پراکسی (بالواسطہ) جنگوں کی طرف پھسل جائے گا جو غلط فہمیوں اور تیزی سے بھڑک اٹھنے والے حالات سے طاقت حاصل کرتی ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ اب ایک ایسے دور میں داخل ہو رہا ہے جہاں تنازعات کا انتظام کم شور شرابے والے اور زیادہ پیچیدہ طریقوں سے کیا جاتا ہے، اور جو ان تبدیلیوں کو وقت سے پہلے سمجھ لے گا وہی ان کے طوفانوں سے بچ پائے گا، اور جو اسے ماضی کی منطق سے پرکھے گا وہ شاید خود کو ایک ایسی مساوات کے بیچ پائے گا جس کی چابیاں اس کے پاس نہیں ہوں گی۔

اقتدار کے ایوانوں میں اسلام کی واپسی کافر مغرب کی نیندیں اڑا رہی ہے

ایک ایسی ریاست کے سائے میں اسلام کی اقتدار میں واپسی جو اسے زندگی کی حقیقتوں میں نافذ کرے اور اسے پوری انسانیت کے لیے ہدایت اور رحمت کا پیغام بنا کر پیش کرے، مغرب کے سیاست دانوں اور مفکرین کے لیے ایک ایسا ڈراونا خواب ہے جس نے ان کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ اسی لیے ہم انہیں اس کے قیام کو روکنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے خلاف بین الاقوامی اتحاد بناتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

فرانس کے وزیر خارجہ ژاں نوئل باروٹ کا یہ بیان کہ شام میں (دہشت گردی) کی واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، درحقیقت خلافت کے قیام سے شدید خوف اور بے چینی کا اظہار ہے۔ مغرب نے انقلابِ شام کے ان تمام مبارک سالوں کے دوران یہ کوشش کی کہ انقلابیوں کے دلوں سے شریعت کے نفاذ کا تصور نکال دیا جائے اور انہیں نئے بدنما چہروں کے ساتھ سیکولر نظام کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، لیکن شام کے عوام اور مجاہدین میں موجود طاقتور انقلابی اور جہادی جذبے نے امریکہ کو لرزہ بر اندام کر دیا ہے، کیونکہ امریکہ کی جانب سے اسے دبانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ جذبہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ وہ شام میں اقتدار کی طاقت کے ستونوں یعنی مجاہدین اور ان کے حامی مسلمان عوام کو ریاست سے دور کرنے اور باقی ماندہ گروہوں اور چھوٹی نسلوں کو ریاست اور فوج میں ضم کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ عمومی فضا کو خراب کیا جا سکے، جہادی جذبے کو ختم کیا جا سکے اور سچے لوگوں کو اقتدار اور فوج سے دور رکھا جا سکے، تاکہ فوج اسلامی جذبے سے خالی ہو جیسا کہ امریکہ منصوبہ بندی کر رہا ہے اور شام کے نئے سیاست دان اس پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔

امریکہ اور کافر مغرب یہی چاہتے ہیں، تو کیا مجاہدین اور ان کے حامی عوام ایک اسلامی دستور کو اپنا کر اور اسے ایک ایسی ریاست میں نافذ کر کے کوئی دوسرا اور فیصلہ کن موقف اختیار کریں گے جو امریکہ کی چالوں کو باطل کر دے اور بیت المقدس کی آزادی اور دنیا بھر میں اسلام کے ابدی پیغام کی اشاعت کے لیے ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو؟